اسلام اور شرک

رانا صابر نظامی

ادارہ تحریکِ اسلامی

۲-اے سانده روڈ، لاہور

گے کہ اللہ ہی نے ایسا کر رکھا ہے۔ یا ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو بادلوں سے مینہ برساتا ہے اور پھر اس سے زمینِ مردہ کو از سرِ نو زندگی عطا کرتا ہے تو یہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ سب کچھ خدا ہی کرتا ہے۔

(۱۹/۶۲-۶۱) نیز (۲۳/۸۸-۸۴) نہ (۲۹/۲۸) نہ (۴۳/۹)۔

ان کے ان اعترافات کے بعد وہ ان سے کہتا ہے کہ جب تم کائنات کی وحدت کے قائل ہو اور اس کے بھی معترف ہو کہ اس میں خدا ہی کے قوانین کارفرما ہیں تو پھر اپنی ارضی زندگی کو اس سے الگ کس طرح کر سکتے ہو۔ جس طرح اس کے قوانین خارجی کائنات میں کارفرما ہیں۔ اسی طرح انہیں تمہاری ارضی زندگی میں بھی نافذ العمل ہونا چاہیئے لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ (۲۱/۲۱)

یہ اپنی ارضی زندگی کے لیے اور الٰہ اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زندگی کو اپنی کے قوانین اور پروگراموں کے مطابق پھیلنا اور آگے بڑھنا چاہیئے اور اس کی تائید میں بدیہی دلیل یہ دی کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج..... (۲۱/۲۲) "اگر کائنات میں ایک الٰہ کے بجائے بہت سے الٰہ ہوں، جن کے اپنے اپنے قوانین نافذ العمل ہوں۔ تو کائنات کا سارا سلسلہ تہس نہس ہو جائے"۔

یہاں تک یہ حقیقت ہمارے سامنے آئی کہ اگر (۱) خدا کو محض پرستش کی شے سمجھا لیا جائے یا (۲) اس کے کائناتی قوانین کی حقانیت کا اعتراف کر لیا جائے، لیکن انسانی زندگی کے لئے انسانوں کے خود ساختہ قوانین تسلیم کئے جائیں، تو یہ وہ نظام ہوگا جسے آج کل کی اصطلاح میں سیکولرازم کہا جاتا ہے۔ سیکولرازم میں تینوں گروہ شامل ہو جاتے۔ یعنی (۱) خدا کی ہستی کے منکر (۲) اس کے وجود کے تو معترف لیکن اس کا دائرہ اقتدار صرف ماورائی کائنات تک محدود ماننے والے۔ اور (۳) خدا کے قائل لیکن اسے صرف ایسی ہستی سمجھنے والے جس کو سجدہ کیا جائے یا حاجتوں میں پکارا جائے۔

انسانی زندگی میں یہ تینوں گروہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے قائل ہوتے ہیں۔ اگر یہ اپنی زندگی میں خدا کے قوانین کو بالکل شامل نہیں کرتے تو انہیں کافر کیا جائے گا۔ اور اگر خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین بھی شامل کرتے

ہیں تو شرک کہلائیں گے۔ کیونکہ یہ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖ اَحَدًا ..... کے خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہم (مسلمانوں) کا شمار اسی زمرہ میں ہوتا ہے۔ ہم بعض احکام خدا کے مانتے ہیں اور (ان کے ساتھ) بعض انسانوں کے وضع کردہ۔ اس طرح ہم اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ کے عملی پیروکار ہیں۔ واضح رہے کہ خدا نے کہا تھا کہ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖ اَحَدًا ..... وہ اپنے حق حکومت میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اس لئے احکام شریعت وضع کرنے والے کوئی بھی ہوں، خدا انہیں اپنا شریک قرار دیتا ہے۔ انہی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ..... (۴۲/۲۱) "کیا ان لوگوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے احکام شریعت وضع کرتے ہیں، حالانکہ خدا نے کسی کو اس کی اجازت نہیں دی۔" یہ کون ہیں جو احکام شریعت وضع کر کے خدا کے حق حکومت میں شریک ہو جاتے ہیں؟ فرمایا: یہ علماء و مشائخ ہیں۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ..... (۹/۳۱) ان حکام اور علماء کی حیثیت ان کے دلوں میں اس قدر اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ اگر انہیں خدا کا سرقرار نہ دیا جائے تو یہ سخت برہم ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (۳۹/۴۵)

جب ان کے سامنے خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہوتی ہے لیکن جب اس کے ماسوا ان کے اصحاب و رہبان کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

آپ ان کی محفلوں اور مجلسوں، کتابوں اور دارالعلوموں میں جا کر دیکھئے۔ خدا کا نام تو کہیں سرِ راہے تبرکاً لیا جائے گا۔ تمام تذکرے انہی علماء اور حکام کے کئے جائیں گے۔ آپ ان کی احکام شریعت کی کتابوں کو دیکھئے۔ دس دس بیس بیس بلکہ ان سے بھی زیادہ ضخیم جلدوں پر مشتمل لیکن سب انہی فقہاء حضرات کے احکام و فتاویٰ پر مبنی۔ قرآن کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجمل اور ناقابل عمل ہے۔ اس کی تکمیل انہی

Marfat.com

احکام شریعت سے ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ..... (۴۰/۱۲) "یہی وجہ ہے کہ جب انہیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو یہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ ایمان اس وقت لاتے ہیں جب اس کے ساتھ حکام اور علماء کو بھی شریک کیا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ یاد رکھو..... فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (۴۰/۱۲) "احکام صادر کرنے کا حق اور اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جو سب پر غالب ہے اور کبریائی کا سزاوار ہے۔ اس میں کسی اور کو شامل کرنا شرک ہے ــــ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا

نظام حکومت:

مثال کے طور پر کسی آئینی حکومت میں سڑک کے چوراہے پر کھڑا سپاہی جب کسی غلط راہ کو ہاتھ کے اشارے سے روکتا ہے تو وہ اس سے اپنے حکم کی اطاعت نہیں کراتا۔ وہ اس حکم کی اطاعت کراتا ہے جسے نافذ کرنے کے لئے اسے وہاں تعینات کیا گیا ہے۔ اسی مثال کو اوپر تک لے جائیے۔ سپاہی سے لے کر آئی جی پولیس تک، سب قوانینِ مملکت کی تعمیل کرانے کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ گورنر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ صدرِ مملکت کا فریضہ بھی قانونِ مملکت کی تنفیذ ہوتا ہے۔ وہ بھی اہلِ مملکت سے قانون کی اطاعت کراتا ہے۔ اپنا حکم نہیں منواتا اور وہ قانون بھی خود اس کا وضع کردہ نہیں ہوتا۔ قانون ساز اتھارٹی کا مرتب کردہ ہوتا ہے۔

انسانی دنیا میں نظام خداوندی یہ ہے کہ لوگ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ یہ قوانین اس کتاب میں منضبط ہیں۔ لیکن کتاب کے الفاظ تو اپنی اطاعت نہیں کرا سکتے ان کی اطاعت کرانے کے لئے ایک زندہ محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجتا ہے (تھا) رسول کا مقصد لوگوں سے کتاب خداوندی کی اطاعت کرانا ہوتا تھا۔

جو شخص ٹریفک کے سپاہی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ اس سپاہی کی اطاعت نہیں کرتا۔ وہ درحقیقت اس اتھارٹی کی اطاعت کرتا ہے جس کی اطاعت کا حکم وہ سپاہی دیتا ہے۔ اس سے اس آیۂ جلیلہ کا مفہوم (بلا تمثیل) واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے

Marfat.com

کہ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی (۴/۸۰) اسی نظامِ اطاعت کو حضورؐ نبی اکرمؐ نے ان چند جامع الفاظ میں سمو کر فرما دیا کہ : من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من اطاع امیری فقد اطاعنی ۔ (بخاری ۔ کتاب الاحکام) "جس نے میری اطاعت کی اس نے (درحقیقت) اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے (درحقیقت) میری اطاعت کی ۔

خدا کی اطاعت کرانے کے لیے محسوس زندہ اتھارٹی کی ضرورت کس قدر بر حق ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ فرمانِ خداوندی اور ارشاداتِ نبویؐ دونوں میں "سمع اور طاعت" کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے یعنی "حکم کا سننا اور اس کی اطاعت کرنا ۔ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ..... (۵/۷) "جب تم نے کہا کہ ہم نے حکم سن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے" سورۃ النور میں ہے کہ "جماعتِ مومنین کا شیوہ یہ ہے کہ جب انہیں ان کے کسی معاملہ میں حکم دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ کہتے ہیں "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ..... (۲۴/۵۱) ہم نے سنا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے" ارشادِ نبویؐ ہے ـــ لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بالامیر ولا امیر الا بالسمع والطاعۃ ۔ اسلام نام ہے جماعت (ہیئت اجتماعیہ) کا اور جماعت (ہیئت اجتماعیہ) قائم ہوتی ہے امیر (مرکز حکومت) سے اور امیر کا وجود اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے احکامات کو سنا جائے اور پھر ان کی تعمیل کی جائے ۔

حضورؐ کے عہد ہمایوں میں، اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت اور امیر کی اطاعت سے یہی مفہوم تھا ۔ یہ الگ الگ اطاعتیں نہیں تھیں ۔ یہ اطاعت خداوندی کا عملی طریقہ تھا ۔ جب تک امت کی مرکزیت کہ یہ نظام قائم رہا اس قسم کے سوال ہی پیدا نہ ہوئے کہ خدا کی اطاعت کس طرح کی جائے اور رسول کی کس طرح ۔ فقہا اور علماء کی کس طرح یہ انتشار اس وقت پیدا ہوا جب امت کی مرکزیت (خلافت علیٰ منہاج رسالت) باقی نہ رہی ۔ امام اور جماعت کا باہمی تعلق کیا ہوتا ہے اور جماعت بلا امام کی کیفیت کیا ہوتی ہے اس کا نقشہ کسی جمعہ کی نماز کے وقت شاہی مسجد (یا کسی اور جامع مسجد) میں جا کر دیکھیے ۔ لاکھ آدمیوں کا مجمع، قطار در قطار صحن مسجد میں کھڑا ہے ۔ قدم بقدم ۔ شانہ بشانہ ۔ ایسے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو ۔ سامنے ایک امام ہوتا ہے ۔

Marfat.com

اس امام کی ایک آواز پر سب جھکتے ہیں۔ سب اٹھتے ہیں۔ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ سب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کوئی اختلاف نہیں کوئی انتشار نہیں۔ ذرا سا تفرقہ۔ یہ نتیجہ سمع و طاعت کا ہے۔"

(۱) جن لوگوں کے نزدیک مذہب ایک پیشہ ہے، ہمارا ان سے خطاب نہیں۔

(۲) جن لوگوں کے نزدیک مذہب اپنی مفاد پرستی کا ذریعہ ہے، ہمارا ان سے بھی خطاب نہیں۔

(۳) جو لوگ جہالت اور تعصب کی تاریکیوں میں اس قدر ڈوب چکے ہیں کہ وہ کسی ایسی بات کے سننے کے لئے تیار نہیں جسے وہ شریعت مانتے چلے آرہے ہیں، ہمارا ان سے بھی خطاب نہیں۔

(۴) ہمارا خطاب صرف ان ارباب قلب و نظر سے ہے جو حقیقی اسلام کے احیاء کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں اور ہر بات کو علم و بصیرت کی روشنی میں پرکھنے کے لئے تیار ہیں۔

(۵) ان حضرات کی خدمت میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کا احیاء صرف ان عناصر سے وابستہ ہے:

(۱) حاکمیت یا اطاعت صرف اسلام کی۔ اس کے ساتھ کسی اور احکام حاکمیت یا اطاعت کا ملانا شرک ہے۔

(۲) اسلام کی اطاعت کرانے کے لئے ایک زندہ اتھارٹی کی ضرورت۔

(۳) یہ اتھارٹی، امت کے باہمی مشورے سے وجود میں آئے گی۔ ختم رسالت کے بعد مامورین من اللہ کا دور ختم ہوگیا۔

(۴) یہ مرکزی اتھارٹی اسلام کے احکام نافذ کرے گی جن کی تعمیل کرانا عمال حکومت کا فریضہ ہوگا۔ ان کی تعمیل کے طرق و اسالیب زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ (عند الضرورت) بدلتے رہیں گے لیکن اسلامی احکام و اصول ابدی طور پر غیر متبدل ہونگے۔

اِسلام زرِ خالص کا نام ہے

جناب ماہر القادری ایڈیٹر فاران کراچی نے جناب مودودی کو ایک خط لکھا جس میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وفات یافتہ نبیوں اور ولیوں کو سفارشی اور شفیع بنانا اور برکت صدقہ اور طفیل بنانے کے سلسلہ میں رہنمائی کی جائے۔

جناب مجدد مودودیؒ نے بدعت کی تشریح اور تفہیم کے سلسلہ میں جناب ماہر القادریؒ کے خط کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ آپ بھی پڑھیئے اور ان کے جواب کی داد دیجیے۔ میں فاران کراچی کے شکریہ کے ساتھ قارئین کے استفادہ کے لئے اسے درج کر رہا ہوں۔

سوال: کیا "بدعت" کی دو قسمیں ہیں (۱) حسنہ اور (۲) سیئہ بعض صاحبان سنت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول نعمت البدعۃ ھذہ سے بدعت کے حسنہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں۔ حدیث شریف میں کس قسم کی بدعت کو ضلالت کہا گیا ہے؟

جواب: اسلام کی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہتے ہیں اس کی کوئی قسم حسنہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر بدعت سیئہ اور ضلالہ ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کل بدعۃ ضلالۃ۔ البتہ لغوی اعتبار سے بعض نئی بات کے معنی میں بدعت حسنہ بھی ہو سکتی ہے اور سیئہ بھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح باجماعت کے بارے میں نعمت البدعۃ ھذہ کے جو الفاظ فرمائے تھے ان میں بدعت سے مراد اصطلاحی بدعت نہیں بلکہ لغوی بدعت ہی ہو سکتی ہے

اس لئے اسے بدعت کی ایک قسم "حسنہ" قرار دینے کے لئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے پہلے بدعت کا اسلامی مفہوم سمجھ لینا چاہیئے پھر یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ آیا نماز تراویح باجماعت طریقہ رائج کرنا اس مفہوم کے اعتبار سے بدعت کی تعریف میں آتا بھی ہے۔؟

عربی زبان میں بدعت کا لفظ قریب قریب اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے جس میں لفظ جدّت" ہم اُردو میں استعمال کرتے ہیں یعنی ایک نئی بات جو پہلے نہ ہوئی ہو یا جس کی کوئی مثال موجود نہ ہو۔ لیکن اسلام میں یہ لفظ اس وسیع مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا۔ نہ اس مفہوم میں ہر نئی چیز یا ہر نئے کام اور طریقے کو گمراہی قرار دیا گیا ہے! اسلامی اصطلاح میں بدعت سے مراد یہ ہے کہ جن مسائل و معاملات کو اسلامی نظام نے اپنے دائرے میں لیا ہے۔ ان میں کوئی ایسا طرزِ فکر یا طرزِ عمل اختیار کرنا جس کے لئے دین کے اصلی مآخذ میں کوئی دلیل و حجت موجود نہ ہو۔ اس تعریف کی رُو سے وہ مسائل اور معاملات یا مسائل و معاملات کے وہ پہلو جن میں دین نفی یا اثباتی طور پر کوئی تعرّض نہیں کرتا جن کے متعلق حضورؐ نے خود فرما دیا کہ اَنتم اعلم بامور دُنیاکم بدعت و سنّت کی بحث سے خود بخود خارج ہو جاتے ہیں۔ کسی چیز کے بدعت ہونے یا نہ ہونے کا سوال صرف اُنہی امور میں پیدا ہوتا ہے۔ جن میں انسان کی رہنمائی کرنا دین نے اپنے ذمہ لیا ہے اور جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے احکام دیئے ہیں یا اصولی ہدایات عطا فرمائی ہیں! خواہ وہ عقائد اور خیالات کے باب سے تعلق رکھتے ہوں، یا اخلاق سے یا عبادات اور مذہبی رسوم سے یا معاشرت، تمدن، سیاست معیشت اور دوسرے ان چیزوں سے جنہیں عام طور پر دنیاوی معاملات سے موسوم کیا جاتا ہے، ان امور میں جب کوئی ایسی بات کی جائے گی جس کے ماخذ کا حوالہ خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی تعلیم و ہدایت میں نہ دیا جاسکتا ہو۔ یا جس کے حق میں دین کے ان مآخذِ اصلیہ سے کوئی معقول دلیل نہ پیش کی جاسکتی ہو۔ تو وہ بدعت ہو گی اور اگر وہ کتاب و سنّت کی تعلیمات کے خلاف پڑتی ہو تو اس پر محض بدعت کا نہیں بلکہ فسق اور معصیت

Marfat.com

کا اطلاق ہوگا۔ بدعت کے اسلامی مفہوم کی اس تشریح کے بعد یہ بات محتاجِ کلام نہیں رہتی کہ اس معنی میں جو چیز بدعت ہو اس کے حسنہ ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا وہ تو لازماً سیئہ ہی ہوگی اور اس کو سیئہ ہی ہونا چاہیئے کیونکہ دین نام ہے اس نظام کا جو خدا اور اس کے رسول کی تعلیم و ہدایت پر مبنی ہو اور اس نظام میں بہ حال ایسی کوئی چیز جب بھی داخل ہوگی۔ اس نظام کے مزاج اور اس کی ترکیب کو بگاڑ دے گی۔ پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بگاڑنے والی چیز حسنہ بھی ہو۔

اب یہ دیکھئے کہ حضرت عمرؓ نے جس چیز کو اچھی بدعت کہا تھا۔ کیا وہ واقعی اسی معنی میں بدعت تھی جس میں کوئی شے اسلام کی اصطلاح میں بدعت قرار پا سکتی ہے۔؟

جہاں تک نفس تراویح کا تعلق ہے۔ یعنی رمضان میں نماز عشاء کے بعد قیام لیل وہ تو نہ صرف جائز ہی نہیں، مندوب اور مسنون بھی ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے۔ بلکہ دوسرے دنوں کے قیام لیل سے زیادہ اہمیت دی ہے اور خود اس پر عمل فرمایا ہے جہاں تک اس کے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا تعلق ہے۔ اس کے بھی حضورؐ کے زمانہ میں اور حضورؐ کے علم میں عمل تھا ہے اور آپ نے اسے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبویؐ میں مختلف مقامات پر مختلف لوگ رمضان میں رات کے وقت نماز پڑھتے تھے! جس کو جتنا قرآن یاد ہوتا وہ اتنا ہی پڑھتا اور کسی کے ساتھ ایک، کسی کے ساتھ پانچ، کسی کے ساتھ سات یا کم و بیش مقتدی کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر جہاں تک ایک جماعت میں سب کو جمع کر کے ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھانے کا تعلق ہے، اس پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کئی مرتبہ عمل فرمایا ہے۔ ترمذی، ابوداؤد اور دوسری کتب سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک رمضان کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ مہینہ ختم ہونے میں سات دن باقی تھے کہ رات کے وقت حضورؐ نے ہم کو نماز پڑھائی

Marfat.com

یہاں تک کہ ایک تہائی شب گزر گئی۔ پھر ایک دن چھوڑ کر ایک روز آدھی رات تک پڑھائی اور اس کے بعد ایک دن چھوڑ کر پھر ایک روز سحری کے وقت تک پڑھاتے رہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور رمضان کا حال بیان فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے دو یا تین دن مسلسل نماز تراویح پڑھائی، پھر تیسرے یا چوتھے روز جب لوگ جمع ہوئے تو آپؐ نماز پڑھانے کے لئے نہ نکلے اور بعد میں اس کی وجہ یہ بیان کی کہ کہیں یہ فرض نہ قرار دے دی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ تو مسنون تھا۔ اب جس چیز کو نئی بات کہا جا سکتا ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس طریقہ کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔ اس چیز کو بدعت اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ حضورؐ نے ہمیشہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھانے کی وجہ صرف یہ بیان فرمائی تھی کہ کہیں یہ لوگوں پر فرض نہ قرار دے دی جائے یہ وجہ خود اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپؐ کے نزدیک یہ طریقہ رائج ہونا تمام حیثیتوں سے پسندیدہ تھا۔ البتہ فرض قرار پا جانے کا اندیشہ اس میں مانع تھا۔ کہ آپؐ اسے رائج فرماتے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد اس اندیشہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ کیونکہ کسی دوسرے شخص کا عمل کسی چیز کے شریعت میں فرض ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے اس منشاء کو پورا کر دیا جو آپؐ کی اس توجہ میں مضمر تھا۔ یعنی یہ کہ یہ طریقہ رائج تو ہو مگر مشروع اور مسنون طریقہ کی حیثیت سے نہ کہ فرض کی حیثیت سے۔ اس پر بعض لوگوں کو جب بدعت ہونے کا شبہ ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر اسے رد کیا کہ "یہ اچھی بدعت ہے" یعنی یہ نئی بات تو ہے مگر اس نوعیت کی نئی بات نہیں ہے جسے اسلام میں مذموم قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ نے بالاتفاق اس طریقہ کے رواج کو قبول کیا اور ان کے بعد ساری امت اس پر عمل کرتی رہی ورنہ کون یہ تصور کر سکتا ہے کہ اسلامی اصطلاح میں جس چیز کو بدعت کہتے ہیں اسے رائج کرنے کا ارادہ حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہوتا! اور صحابہ کی پوری جماعت بھی آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیتی؟

Marfat.com

سوال :- مشائخ و صوفیا کے بعض تذکروں میں یہ ملتا ہے کہ فلاں صاحب نے فلاں بزرگ کی قبر پر مراقبہ اور چلہ کیا۔ ؟ اور یہ بھی کہ فلاں بزرگ کا یہ قول اور تجربہ ہے کہ فلاں قبر پر اللہ سے دعا مانگنا قبولیت کا سبب ہوتا ہے ؟ اس کی دین میں کیا اصل ہے ؟

جواب۔ اول تو دین میں اصل چیز کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہے نہ کہ بزرگوں کے اقوال و افعال دوسرے خود بزرگوں کے اقوال و افعال کے متعلق جو مواد تذکروں میں ملتا ہے وہ بھی ایسا مستند نہیں ہے کہ اس کی بناء پر یہ اطمینان کیا جا سکے کہ واقعی ان بزرگوں کے اقوال و افعال وہی تھے جو ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ایسی چیزوں کو مانند ان کرامات کی پیروی کرنا میرے نزدیک سخت بے احتیاطی ہے۔ محفوظ طریقہ وہی ہے جو ہمیں قرآن و حدیث سے ملتا ہے جس کے دور صحابہ اور دورِ تابعین میں رائج ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور جس کو امت کے محدثین اور فقہاء نے منقح اور مدون کر کے رکھ دیا ہے لہٰذا جو شخص دین کی یقینی اور قابل اعتماد راہ پر چلنا چاہتا ہو۔ اس کو اس محفوظ طریقے سے تجاوز کا کبھی خیال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ باہر جو کچھ ہے وہ کم از کم خطرے سے تو خالی نہیں ہے اب اسی معاملہ کو لیجئے جس کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے جو تذکرے ہمیں یہ نہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگوں نے یہ کام کیا ہے۔ ان کی روایات کا حدیث کی کسی ضعیف سے ضعیف روایت کے مقابلہ میں بھی آخر کیا پایہ ہے ؟ کس کی بناء پر یہ اعتماد یا گمان غالب ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں نے واقعی ایسا کیا تھا ؟ فرض کیجئے کہ حقیقت میں انہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔ اس صورت میں ان بے سند روایات کی پیروی کر کے ہم آخرت میں کس چیز کا سہارا لے کر جواب دہی کر سکیں گے۔ ؟ اگر عاقبت کی ہمیں فکر ہو اور ہم خود اپنی خیر چاہتے ہوں تو یہ کام کرنے سے پہلے ہم کو دین کے محفوظ طریقہ کی طرف رجوع کر کے اطمینان کر لینا چاہیئے کہ وہاں کسب فیض یا تحصیل دعا کے لئے یہ طریقہ بتایا گیا ہے یا نہیں صحابہ نے خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر کبھی بیٹھ کر یا مراقبہ کیا تابعین نے کبھی کسی صحابی کی قبر پر یہ کام کیا ؟ فقہاء و محدثین میں سے کسی نے اس کو مشروع

Marfat.com

طریقہ بتایا؟ سب سے بڑھ کر خود اللہ میاں نے قرآن میں کہیں یہ تعلیم دی کہ قبروں پر حصولِ فیض یا استجابتِ دعا کے لئے جاؤ؟ یا اللہ کے رسولؐ نے اس طریق کار کی طرف اشارہ کیا؟ ان ذرائع سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہو تو اطمینان کے ساتھ یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہ بالکل غلط نہ سہی مشتبہ اور مشکوک تو ماننا ہی پڑے گا۔ ایسا مشتبہ کام کر کے کیا میں یہ خطرہ مول نہ لوں گا کہ شاید آخرت میں وہ غلط ثابت ہو اور میں اللہ تعالیٰ کو اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکوں کہ جب دین کی حقیقی راہ معلوم کرنے کے قابلِ اعتماد ذرائع موجود تھے۔ تو میں مشتبہ ذرائع کی طرف کیوں گیا؟ محکمات موجود تھے تم نے متشابہات کی کیوں پیروی کی؟

سوال۔ کسی بزرگ کی قبر پر جا کر اس طرح کہنا کہ اے ولی اللہ! آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا کریں۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب۔ دنیا میں زندہ بزرگ سے اپنے حق میں دعائے خیر کی درخواست کرنا بجائے خود قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے۔ آدمی خود بھی اللہ سے دعا مانگ سکتا ہے اور دوسروں سے بھی کہہ سکتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو۔ لیکن وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں پر جا کر یہ درخواست پیش کرنا۔ معاملہ کی نوعیت کو بالکل ہی بدل دیتا ہے قبر پر یہ بات کہنے کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ آپ اپنے دل میں یا چپکے چپکے ایسا کہیں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ان بزرگ کی سماعت کی شان وہی کچھ بیان کر رہے ہیں جو اللہ کی شانِ سماعت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ زور زور سے ان ولی اللہ کو پکار کر یہ بات کہیں اس صورت میں اعتقاد کی خرابی تو لازم آئے گی مگر یہ اندھیرے میں تیر چلانا ہوگا ہو سکتا ہے کہ آپ پکار رہے ہوں اور وہ نہ سن رہے ہوں کیونکہ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ مختلف فیہ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سماع تو ممکن ہو مگر ان کی روح اس وقت وہاں تشریف نہ رکھتی ہو اور آپ خواہ مخواہ خالی آواز دے رہے ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روح تشریف فرما تو ہو مگر وہ اپنے رب کی طرف مشغول ہو اور آپ اپنی غرض کے لئے چیخ چیخ کر ان کو اتنی اذیت دیں۔

دنیا میں کسی نیک آدمی سے دعا کرانے کے لئے پہلے ملاقات کی جاتی ہے پھر آپ عرض مدعا کرتے ہیں یہ تو نہیں کرتے کہ مکان کے باہر کھڑے ہو کر بس چیخنا شروع کر دیا۔ کچھ پتہ نہیں کہ اندر ہیں یا نہیں ہیں، آرام میں ہیں یا کسی کام میں مشغول ہیں۔ آپ کی بات سننے کے لئے خالی بیٹھے ہیں اب غور کیجئے کہ وفات یافتہ بزرگوں کے معاملہ میں جب ہمارے لئے ان کے احوال معلوم کرنے اور ان سے بالمشافہ ملاقات کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے تو ان کے مکانوں پر جا کر اندھا دھند چیخ و پکار شروع کر دینا آخر کس معقول آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ دعا کر دلنے کا یہ طریقہ اگر قرآن و حدیث میں سکھایا گیا ہوتا یا اس کا کوئی ثبوت ہوتا صحابہ کے عہد میں یہ رائج ہوتا تب تو بات صاف تھی بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

دوسری صورت بلاشبہ غیر معقول نظر آتی ہے یہ جو دعاؤں میں طفیل فلاں برکت فلاں، صدقہ فلاں اور بحرمت فلاں کا اضافہ ملتا ہے اس کی اسلامی حیثیت کیا ہے؟ سنت رسول کیا بتاتی ہے؟

صحابہ کا کیا معمول رہا ہے؟ اس طرح دعا مانگنے سے کوئی قباحت تو لازم نہیں آتی؟ مگر دعا کا یہ طریقہ نہ کسی نبی کا ہے اور نہ کسی معروف صحابی کا ہے۔ نہ حضور نے اپنے براہ راست شاگردوں کو بتایا ہے نہ اجتناب ہی کرنا چاہیے کیونکہ حضورؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام آخر یہی بتانے کے تو آئے تھے کہ خدا اور بندوں کے درمیان ربط و تعلق کی صحیح صورت کیا ہے اور جب انہوں نے اس کی یہ صورت نہ خود اختیار کی، نہ کسی کو سکھائی تو جو شخص بھی اسے اختیار کرے گا وہ معتبر چیز کو چھوڑ کر غیر معتبر چیز اختیار کرے گا۔ دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ مجھے تو اس طرح دعا میں بڑی کراہیت کا پہلو نظر آتا ہے۔ میں جب اس طرز دعا کے مضمرات پر غور کرتا ہوں تو میرے سامنے کچھ ایسی تصویر آتی ہے کہ جیسے ایک بہت بڑی سخی داتا ہی ہے جس کے دروازہ سے ہر بڑے چھوٹے کی حاجتیں پوری

Marfat.com

ہوتی ہیں جس کو ۔ ہے جس کا دربار کھلا ہے جس سے ہر منگنے والا مانگ سکتا ہے اور کسی پر اس کی عطا اور بخشش بند نہیں ہے۔ ایسی ہستی کے حضور ایک شخص آتا ہے اور اس سے سیدھی طرح یہ نہیں کہتا کہ اے کریم ورحیم! میری مدد کر! بلکہ یہ کہتا ہے کہ اپنے فلاں دوست کی خاطر میری حاجت پوری کر دے مانگنے کے اس انداز میں یہ بدگمانی پوشیدہ ہے کہ وہ اپنی صفتِ رحم وکرم کی وجہ سے کسی کی دستگیری کرنے والا نہیں ہے بلکہ اپنے دوستوں چہیتوں اور مقربوں کی خاطر احسان کر دیا کرتا ہے! ان کا واسطہ نہ دیا جائے تو گویا آپ اس کے ہاں سے کچھ پانے کی امید نہیں رکھتے اور "بجاہِ فلاں" کہہ کر مانگنے میں تو معاملہ بدگمانی سے بھی آگے نکل جاتا ہے! اس کے معنی تو یہ ہیں کہ گویا آپ اس پر دباؤ ڈال رہے ہیں۔ کہ میں بڑے آدمی کا متوسل آیا ہوں میری درخواست کو کسی بے وسیلہ آدمی کی سی درخواست سمجھ کر نہ ٹال دیجئے گا۔ اگر یہ اس طرزِ دعا کے مضمرات نہ ہوں تو مجھے سمجھا دیا جائے تو بڑی خوشی ہوگی کہ میرے دل کی کھٹک اس معاملہ میں نکل جائے گی۔ لیکن اگر اس کے واقعی مضمرات یہی ہوں تو میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کا صحیح تصور رکھتا ہو وہ ایسا طرزِ دعا اختیار کرنے کا خیال بھی کیسے کر سکتا ہے؟

صاحب ہدایہ نے بھی اس مسئلہ پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔

ویکرہ ان یقول الرجل فی دعائہ بحق فلان وبحق انبیاءک ورسلک لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق۔

یہ مکروہ ہے کہ آدمی اپنی دعا میں بحق فلاں بحق انبیاء ورسل کہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔!

اسلام اور شرک

راناصَابر نظامی

ادارہ تحریکِ اسلامی

۲-اے سانده روڈ، لاہور

Marfat.com